يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ (5:67)

اے رسُولؐ! اِس ضابطۂ حیات کو جو تُمہارے ربّ کی طرف سے تُم پر نازل کیا گیا ہے
تمام اِنسانوں تک پہنچا دو۔

قرآنی تعلیم کے دو اہم گوشے

تکذیبِ دین کون کرتا ہے

اور

مُصلّی کِسے کہتے ہیں؟

ادارہ طلوعِ اسلام

25-B، گلبرگ 2، لاہور فون: 042-35714546

Email: idara@toluislam.com

Web: www.toluislam.com

قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لئے

ماھنامہ

خود پڑھیئے،
دُوسروں کو پڑھنے کے لیے پیش کیجئے

یہ

ایک ماہنامہ ہی نہیں بلکہ ایک زندہ اور زندگی بخش تحریک ہے جس کا مقصد قرآنی فِکر کو اس طرح عام کرنا ہے کہ وہ نوجوانوں کے دِل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور وہاں سے

صحیح آسمانی انقلاب بن کر اُبھرے!

ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

سالانہ زرِ شرکت اندرون ملک -/450 روپے۔ بیرون ملک -/2500 روپے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ

بنام ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور ارسال فرمائیں۔

بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 برانچ کوڈ 0465

نیشنل بنک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تکذیبِ دِین کون کرتا ہے

مُصَلّی کِسے کہتے ہَیں؟

(ایک بصیرت افروز مقالہ جسے ''سلیم کے نام خطوط'' کے سلسلہ میں لکھا گیا)

قبل اس کے کہ میں ان نقاط کو سامنے لاؤں جن کی تم تشریح چاہتے ہو ایک دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے پہلی یہ کہ صلّی (جس سے لفظ صلوٰۃ آتا ہے) کے بنیادی معنی ہیں ٹھیک ٹھیک کسی کے پیچھے چلتے جانا تا آنکہ منزل مقصود آجائے۔ چنانچہ عربی زبان کی مشہور لغت' تاج العروس میں حضرت علیؓ کی ایک روایت درج ہے۔ جس میں انہوں نے کہا ہے کہ سبق رسول اللّٰہ و صلی ابوبکر وثلث عمر ۔یعنی سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے (وفات پا گئے) ان کے پیچھے حضرت ابوبکرؓ گئے (صلی) اور تیسرے نمبر پر حضرت عمرؓ نے وفات پائی اس سے لفظ صلی کا استعمال اور اس کا مفہوم واضح ہے۔ یعنی جو آگے آگے جا رہا ہو اس کے پیچھے پیچھے چلنا۔ اور اس طرح چلتے چلے جانا تا آنکہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ اس مفہوم کے اعتبار سے صلوٰۃ کے بنیادی معنی ہوں گے قوانین خداوندی کی پوری پوری اتباع۔ خدا کی راہنمائی کے پیچھے پیچھے چلے جانا۔ ظاہر ہے کہ یہ اتباع زندگی کے کسی ایک گوشے تک محدود نہیں رہے گی بلکہ انسان کی پوری کی پوری

زندگی اس کے اندر آ جائے گی۔ اس لئے اس کے معنی ہوں گے زندگی کے ہر شعبے میں قوانین خداوندی کا اتباع۔ ان فرائض منصبی کی تکمیل جو انسان پر ان قوانین کی رُو سے عائد ہوتے ہیں۔ وہ نظام جس کے اندر رہتے ہوئے انسان ان فرائض کی تکمیل کر سکتا ہے دِین کہلاتا ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ کا نظام دین کا پورا نظام ہوگا۔ صلوٰۃ کے اجتماعات (جنہیں نماز کہا جاتا ہے) اسی نظام کا ایک حصہ ہیں۔ یہ درحقیقت عملی مظاہرہ ہے اس ایمان کا کہ ہم نے اپنی پوری زندگی قوانین خداوندی کے تابع بسر کرنی ہے اور ان کے سوا کسی قانون اور فیصلے کے سامنے نہیں جھکنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کا تصور صرف اجتماعاتِ نماز تک محدود نہیں بلکہ انسان کی ساری زندگی کو محیط ہے۔ یعنی جب ہم نماز ادا کر لیں تو ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم فریضۂ صلوٰۃ سے بالکلیہ فارغ ہو چکے ہیں۔ ہمیں سمجھنا یہ چاہئے کہ ہم نے فریضہ صلوٰۃ کے ایک حصہ کو ادا کیا ہے۔ اس کی تکمیل اس وقت ہوگی جب ہم اپنی پوری زندگی نظام خداوندی کے تابع بسر کریں اور اسی طرح بسر کرتے جائیں تا آنکہ ہماری دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (2:132)

صلّی کے معنی

یہ بات کہ صلّی کے معنی کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں، قرآن کریم نے خود واضح کر دیئے ہیں۔ چنانچہ سورہ القیامتہ میں ہے۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ○ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (75:31-32) یہاں دیکھو صدق کے مقابلہ میں کذب آیا ہے۔ صدق کے معنی ہیں تصدیق کرنا۔ سچ کر دکھانا اور کذب کے معنی ہیں تکذیب کرنا۔ جھٹلانا) اور صلّی کے مقابلے میں تولّی آیا ہے۔ تولّی کے معنی ہیں گریز کی راہیں نکالنا، پھر جانا، لوٹ جانا، اس سے ظاہر ہے کہ صلّی اس روش کی ضد ہے جس میں انسان سیدھے راستے پر چلنے کے بجائے اس سے پھر جاتا ہے یا گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ یہاں سے

واضح ہے کہ صلّی کے معنی (خود قرآن کی رُو سے بھی) کسی کے پیچھے سیدھے راستے پر چلنا ہے۔ دوسرے مقام پر خود صلوٰۃ کا لفظ بھی انہی معنوں میں آیا ہے۔ سورہ نور میں کائنات کی مختلف اشیاء کے اجمالی اور پرندوں کے خصوصی ذکر کے بعد کہا ہے۔ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (24:41)

نظامِ صلوٰۃ

ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں صلوٰۃ کے معنی وہ نماز نہیں جو مساجد میں ادا کی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے معنی ہیں وہ فرائض منصبی جو ان اشیائے کائنات کے ذمے لگائے گئے ہیں۔ یعنی اس قانون کا اتباع جس کے مطابق چلنے کیلئے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ (تسبیح کے معنی ہیں فرائض کی تکمیل میں پوری پوری جدوجہد کرنا)۔ یہ وجہ ہے کہ میں اقامت صلوٰۃ کا ترجمہ نظام صلوٰۃ کا قیام کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو ہر جگہ ''اقیمو الصلوۃ'' کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد نظام صلوٰۃ قائم کرنا ہے۔ یعنی نظام خداوندی کا قیام۔ نماز کے اجتماعات اس کے اندر آ جاتے ہیں لیکن صلوٰۃ کا فریضہ ان اجتماعات تک محدود نہیں' ان سے باہر بھی ہے۔ بالفاظ دیگر خدا کی عبادت مسجد کی چار دیواری تک محدود نہیں' زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔ انسان جب اجتماعِ صلوٰۃ میں شریک ہوتا ہے تو اس وقت بھی اقامتِ صلوٰۃ کر رہا ہوتا ہے اور اس سے فارغ ہو کر جب زندگی کے دوسرے معاملات میں قانونِ خداوندی کی اطاعت کرتا ہے تو اس وقت بھی اقامتِ صلوٰۃ ہی کرتا ہے۔ یہ چیز کہ صلوٰۃ کا دائرہ زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی اپنے اندر لے لیتا ہے خود قرآن سے واضح ہے۔ سورہ ہود میں ہے کہ حضرت شعیب کی قوم نے آپ سے کہا کہ يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (11:88) اے شعیب! کیا تیری صلوٰۃ تمہیں اس کا حکم

دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی محکومیت (عبودیت) ہمارے آباء اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ یا ہم اپنے مال و دولت کو اپنی مرضی کے مطابق صرف نہ کریں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مال و دولت کا قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنا بھی صلوٰۃ کے اندر داخل ہے۔

اضاعوالصلوٰۃ

امید ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ میں یہ نہیں کہتا کہ صلوٰۃ سے مطلب نماز کے اجتماعات نہیں (لفظ نماز عربی کا نہیں قدیم فارسی زبان کا ہے)' میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اجتماعات بھی فریضۂ صلوٰۃ کے اندر داخل ہیں۔ لیکن یہ فریضہ یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ انسان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ جو انسان نماز کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتا' وہ بھی تارکِ صلوٰۃ ہے اور جو کسی معاملہ میں قانونِ خداوندی کی اطاعت نہیں کرتا وہ بھی تارکِ صلوٰۃ ہے۔ میں اس نقطہ پر زور اس لئے دیتا چلا آ رہا ہوں کہ جب ہم نماز پڑھ لیتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اقامتِ صلوٰۃ کے فریضہ سے کلیتہً فارغ ہو چکے ہیں۔ ہمیں سمجھنا یہ چاہئے کہ ہم اقامت صلوٰۃ کے صرف ایک گوشے سے فارغ ہوئے ہیں۔ یہ فریضہ مکمل طور پر اس وقت ادا ہوگا جب ہم اپنی ساری زندگی خدا کے قانون کے تابع بسر کریں گے۔ فقط نماز پڑھ لینا اور باقی زندگی خدا کے احکام کے خلاف گذارنا' ہمیں مصلّی نہیں بنا سکتا۔ مصلی وہی ہے جو ساری زندگی خدا کے قانون کے پیچھے چلے۔ اس حقیقت کو سورہ مریم کی ایک آیت میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلے مختلف انبیائے کرامؑ کا ذکر ہے جنہیں اللہ نے اپنے انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد یہ ہے کہ **فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ** (19:59) یعنی انکے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو گئے

جنھوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے خیالات وخواہشات کے پیچھے چل پڑے۔ اس سے ظاہر ہے کہ زندگی کی دو روشیں ہیں۔ ایک روش یہ ہے کہ انسان اپنے مفاد اور خیالات کے پیچھے چلے۔ اس کے برعکس، دوسری روش یہ ہے کہ انسان، وحی خداوندی کا اتباع کرے۔ قرآن کہتا ہے کہ اپنے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنے والے صلوٰۃ کی روش کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ کے معنی ہوئے وحی خداوندی کا اتباع۔ ''صلوٰۃ کے ضائع'' کرنے سے اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ صلوٰۃ کی رسمی شکل کو برقرار رکھتے ہیں لیکن اس کی اصل وغایت کو ضائع کر دیتے ہیں (تفصیل اس کی ذرا آگے جا کر سامنے آئے گی)۔ بہرحال، اس سے بھی واضح ہے کہ صلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کے تمام معاملات میں وحیِ خداوندی کا اتباع کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ صلوٰۃ کی حقیقت کو ضائع کرتا ہے۔

ایتائے زکوٰۃ

یہ تھی پہلی بات۔ دوسری بات یہ کہ جس نظام کا تعلق انسانی زندگی کی نشوونما (DEVELOPMENT) سے ہے قرآن اسے خاص اہمیت دیتا ہے۔ بلکہ (اصل یہ ہے کہ) دین کا مقصود اور غایت ہی انسانی زندگی کی نشوونما ہے۔ ''انسانی زندگی کی نشوونما'' میں انسانی جسم (طبعی زندگی) کی نشوونما بھی داخل ہے اور انسانی ذات (PERSONALITY) کی نشوونما بھی۔ انسانی ذات کی نشوونما سے مفہوم ہے ان تمام صلاحیتوں کی پوری پوری بالیدگی اور ارتقاء جو انسان کے اندر مضمر رکھی گئی ہیں۔ جو حصہ انسان کی طبعی زندگی کی نشوونما سے متعلق ہے اسے معاشی نظام کہتے ہیں۔ قرآن نے بتایا یہ ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان پوری کی پوری محنت سے کام کرے اور اپنی ضروریات سے جو کچھ زائد ہو اسے دوسروں

کی نشوونما کے لئے کھلا رکھے۔ اسے قرآن کی اصطلاح میں ''ایتائے زکوٰۃ'' کہتے ہیں۔ یعنی سامان زیست مہیا کرنا۔ نشوونما دینا۔ (زکوٰۃ کے معنی نشوونمایا (GROWTH) کے ہیں)۔ جیسا کہ سورہ ہودؔ کی اس آیت سے واضح ہے جسے (حضرت شعیبؑ کی صلوٰۃ کے ضمن میں اوپر درج کیا گیا ہے) نظام صلوٰۃ کا نظام معاش کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلکہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اسی لئے قرآن میں اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ اور اٰتُوا الزَّکٰوۃَ بالعموم اکٹھے آتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

تکذیبِ دین کون کرتا ہے؟

ان دونوں باتوں کو تمہیداً سمجھ لینے کے بعد اب آگے چلو۔ سورہ ماعونؔ میں ہے۔ اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ (107:1) ''کیا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا (اس کی حالت پر بھی غور کیا) جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ یہاں دین سے انکار کرنے والوں کا ذکر نہیں۔ دین کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے یعنی وہ جو زبان سے دین کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً اسے جھٹلاتے ہیں۔ تم سوچو سلیم! کہ وہ کون ہے؟ جو اس سوال کا جواب سننے کیلئے ہمہ تن توجہ نہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ معلوم کرے کہ وہ کون ہے جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ وہ دین کی تکذیب کرتا ہے اور پھر کہتا بھی اس طرح ہے کہ یہ بات محض ذہنی یا اعتقادی نہ رہے بلکہ محسوس طور پر دیکھنے والے کے سامنے آجائے (رائیت کا اشارہ اسی طرف ہے۔ سوال کو ایک مرتبہ پھر سامنے لاؤ۔ یعنی

کیا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟

اب اس کا جواب سنو جواب یہ ہے کہ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ (107:2-3) وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب

نہیں دیتا۔

یتیم کی عزت

تم نے غور کیا سلیم! کہ بات کیا ہوئی؟ تمہارے ذہن میں یہ ہوگا کہ قرآن یہ کہے گا کہ دین کی تکذیب وہ کرتا ہے جو خدا کو نہیں مانتا۔ آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ جس کے عقائد درست نہیں (وغیرہ وغیرہ) لیکن قرآن نے یہ نہیں کہا اس نے کہا ہے کہ دین کی تکذیب وہ شخص کرتا ہے جو دین پر ایمان رکھنے کے دعوے کے باوجود کرتا یہ ہے کہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانے کا نہ خود انتظام کرتا ہے نہ ایسا انتظام کرنے کے لئے تگ ودو کرتا ہے۔ جیسا کہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں، عربی زبان میں یتیم صرف اسی کو نہیں کہتے جس کا باپ مر چکا ہو۔ اس کے بنیادی معنی ہیں تنہا رہ جانے والا۔ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ کوئی گروہ، کوئی پارٹی، کوئی جتھہ، کوئی جماعت ہو، اس کی معاشرہ میں بڑی عزت ہوتی ہے لیکن جو تنہا رہ جائے اس کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ یہی نہیں کہ کوئی اس کی عزت نہیں کرتا بلکہ اسے ہر جگہ دھکے ملتے ہیں۔ جس معاشرہ میں ہر فرد (بجز ان کے جن کے پاس قوت واقتدار اور جتھے اور گروہ ہوں) اپنے آپ کو تنہا (یتیم) محسوس کرے، قرآن کی رُو سے وہ معاشرہ جہنمی معاشرہ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کس طرح ہر فرد اپنے آپ کو (بستی رستی دنیا میں) تنہا محسوس کرتا ہے اس کا علم واحساس ہم میں سے ہر ایک کو ہے۔ لیکن اس جہنم میں صرف ہمیں ماخوذ نہیں۔ یورپ اور امریکہ کی قومیں، جو ہم سے بہت آگے ہیں، اس بات میں ان کی حالت بھی ہم سے کچھ مختلف نہیں (میں نے شاید تمہیں بتایا ہے یا نہیں) اگلے دنوں امریکہ سے ایک دلچسپ کتاب شائع ہوئی تھی۔ وہاں کے چند نامور صحافیوں (جرنلسٹس) نے مل کر ملک کے اعداد وشمار جمع کئے اور ان کی روشنی میں بتایا کہ ان کے ہاں معاشرہ کی حالت کیا ہے۔

جو کچھ انہوں نے اس کتاب کی تفاصیل میں لکھا ہے اسے تو چھوڑو۔ انہوں نے اپنے معاشرہ کی حالت کو جو نقشہ پیش کیا ہے اس کا اندازہ اس نام (ٹائٹل) سے لگ سکتا ہے جو انہوں نے اس کتاب کے لئے تجویز کیا تھا۔ انہوں نے اس کتاب کا نام تجویز کیا (THE LONELY CROWD) غور کرو سلیم! کہ یہ نام کس قلبی کیفیت کی غمازی کر رہا ہے۔ میں کہوں گا کہ یہ کتاب کا نام نہیں، ایک چیخ ہے جو اپنے معاشرے کی حالت کو دیکھ کر ان لوگوں کے مُنہ سے بے اختیار نکل گئی ہے (THE LONELY CROWD) اُف (CROWD) اور (LONELY) یعنی یہ معاشرہ نہیں بلکہ انسانوں کا ایک ایسا انبوہ یا ہجوم ہے جس میں ہر فرد، اتنے افراد کے گروہ پیش ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ امریکہ کے ان مبصرین نے تو اس حقیقت کو اب پایا ہے، قرآن اسے بہت پہلے بیان کر چکا ہے۔ اس نے اس کے لئے بعینہٖ یہی الفاظ استعمال کئے ہیں (بلکہ اس سے بھی زیادہ جامع) اس نے کہا ہے **يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ** (90:15) ایسا معاشرہ جس میں ہر شخص دوسروں کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ دیکھا تم نے سلیم! یوں معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے ان مصنفین نے اپنی کتاب کے ٹائٹل کے لئے قرآن کی آیت کا ترجمہ کر دیا ہے۔

مسکین

تکذیبِ دین کرنے والوں کی قرآن نے دسری خصوصیت یہ بتائی ہے کہ **وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ** مسکین (سکن ساکن) سے ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ شخص جو حرکت سے محروم ہو جائے۔ جس کا چلتا ہوا کاروبار رُک جائے۔ جس میں کام کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہے۔ جو متحرک سے ساکن ہو جائے جو (IN CAPACIATED) ہو جائے۔ خواہ کسی وجہ سے ہو

۔ ہمارے معاشرے میں ایسا شخص اپنی مصیبت آپ بھگتتا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے۔ نہ کوئی اسے پوچھتا ہے اور نہ اس کے بچوں کا پرسانِ حال ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس معاشرہ میں یہ کچھ ہوتا ہو اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھو سلیم! قرآن نے سورہ الفجر میں اس حقیقت کو کس قدر دل نشین الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان جب خدا کی راہ نمائی کی طرف سے آنکھیں بند کر لے تو اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ جب اُسے فراخیٔ رزق نصیب ہو تو اس پر اتراتا ہے لیکن جب اس پر (اس کی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے) تباہی آتی ہے تو کہتا ہے ربی اھانن میرے رب نے مجھے خواہ مخواہ ذلیل کر دیا۔ قرآن کہتا ہے' ایسے لوگوں سے کہہ دو کہ **كَلَّا**۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں یونہی (بغیر کسی جرم اور قصور کے) ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں ...... سن رکھو کہ یہ اس لئے ہوا کہ **بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ** (89:17-18) تم ان افراد کی جو تنہا رہ جاتے تھے' عزت نہیں کرتے تھے اور ان کے رزق کا بندوبست نہیں کرتے تھے جن کی حرکت رُک جاتی تھی۔ غور کیا تم نے سلیم! قرآن کہتا ہے کہ وہ افراد جو معاشرہ میں تنہا رہ جائیں' قابلِ عزت اور واجب التکریم ہیں اس لئے کہ (ان کے ساتھ پرہ جنبہ اور گروہ جتھہ نہ سہی) وہ فرزندانِ آدم (انسان) تو ہیں اور ہم نے ہر فردِ آدم کو (محض اس کے آدمی ہونے کی حیثیت سے) واجب التکریم پیدا کیا ہے۔ **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ** (17:70)

ضمناً یہ بھی سمجھ لو سلیم! کہ قرآن نے ان لوگوں کے خلاف صرف یہی دو جرم عائد نہیں کئے کہ وہ یتیموں کی عزت نہیں کرتے تھے اور مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا ہے کہ ...... **وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا** یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ انہیں باپ دادا کی طرف سے

میراث میں مل جاتا ہے وہ سب ان کا اکیلوں کا حق ہے۔ اس لئے وہ اسے سمیٹ کر کھا جاتے ہیں۔ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (89:19-20) اور ایسا جال بچھاتے ہیں جس سے لوگوں کا مال اِدھر اُدھر سے لڑھک کر سب ان کے ہاں جمع ہو جائے۔ یہ وجہ ہے ان کی تباہی و بربادی کی۔

اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ مسکینوں کے رزق کا بندوبست نہ کرنے والے اور خدا پر ایمان نہ لانے والے ایک ہی ہیں۔ یہ دونوں باتیں لازم وملزم ہیں۔ جو مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتا' وہ درحقیقت خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ اہل جہنم کے متعلق کہتا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (69:33-34) وہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ (عربی زبان میں داؤ کے معنی اور بھی ہوتے ہیں اور یعنی بھی۔ اس جگہ (و) کے معنی اور کئے جائیں یا یعنی۔ مفہوم وہی ہے کہ ایمان باللہ اور اطعام المسکین ساتھ ساتھ چلتے ہیں)۔

مُصلّین

اب پھر تم سورہ ماعونؔ کی طرف آؤ جہاں سے یہ بات چلی تھی۔ یعنی اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ یعنی تکذیب دین وہ کرتے ہیں جو یتیموں کی عزت نہیں کرتے۔ اسکے بعد ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (107:4-5) سو تباہی ہے ان مصلین (نمازیوں) کے لئے جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ تم حیران ہو گے سلیم! کہ پیچھے سے جو بات چلی آ رہی تھی وہ خالص معاشی مسئلہ سے متعلق تھی (یعنی مسکین کے رزق کا انتظام) اور اس کے بعد مصلین کا ذکر آ گیا اور ذکر بھی آیا (ف) کے ساتھ۔ (فویل) جس کا عربی زبان میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ پہلے کہا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ

ہے کہ..... بالفاظ دیگر قرآن نے کہا ہے کہ تکذیب دین وہ کرتے ہیں جو یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے۔ سوان مصلّین کے لئے تباہی ہے جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اس سے وہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ یعنی صلوٰۃ اور معاشی نظام کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبری اور غفلت کا نتیجہ ہے کہ انسان اسے محض پرستش کا طریق سمجھتا ہے اور معاشرتی اور معاشی نظام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں محسوس کرتا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ قرآن کی میزان میں حقیقی مصلین وہ ہیں جو اپنے معاشرتی اور معاشی نظام کو قوانینِ خداوندی کے تابع رکھتے ہیں۔ اگر کسی قوم میں معاشرتی و معاشی نظام غیر خداوندی خطوط پر متشکل ہوں تو ان کے مصلین (نمازیوں) کی صلوٰۃ (نماز) صلوٰۃ نہیں کہلا سکتی۔ ایسی صلوٰۃ کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی بھول یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ کے متعلق یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فقط نام ہے ان حرکات وسکنات کا جو مرئی اور محسوس (VISIBLE AND PERCEPTIBLE) ہیں جو دوسروں کو نظر آ سکتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نمازی ہے **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ** (107:4-6) وہ ان ظاہری حرکات وسکنات (قیام۔ رکوع۔ سجود۔ رکعات وغیرہ) کو ادا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم فریضہ صلوٰۃ سے فارغ ہو گئے۔ حالانکہ یہ ظاہری حرکات، حقیقی صلوٰۃ کے مظاہر (SYMBOLS) ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ ظاہری حرکات بھی ضروری ہیں کیونکہ حقیقت کے اظہار کا ذریعہ مجاز ہی ہوتا ہے۔ لیکن صلوٰۃ ان حرکات کے مجموعہ ہی کا نام نہیں۔ صلوٰۃ کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے۔ وہ مفہوم کیا ہے۔ اسے قرآن نے اگلی آیت میں واضح کر دیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ تم اس اگلی آیت تک پہنچو جو کچھ پہلے کہا جا چکا

ہے اسے ایک مرتبہ پھر سامنے لے آؤ یعنی

1- کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو تکذیبِ دین کرتا ہے؟

2- یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے رزق کا اہتمام نہیں کرتا۔

3- لہٰذا تباہی ہے ان مصلین کے لئے جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

4- یعنی جو اس چیز ہی کو صلوٰۃ سمجھتے ہیں جو دوسروں کو نظر آ جائے۔

اور اس کے بعد ہے

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (107:7)

یعنی ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نماز کی حرکات وسکنات بڑی باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن رزق کے جن سرچشموں کو بہتے پانی کی طرح کھلا رہنا چاہئے تھا انہیں بند لگا لگا کر روک لیتے ہیں تاکہ وہ انہی کے لئے مخصوص ہو جائیں اور دوسرے انسان ان سے متمتع نہ ہو سکیں۔ تم نے دیکھا سلیم! قرآن کس طرح معاش سے صلوٰۃ اور صلوٰۃ سے معاش کی طرف رجوع کرتا ہے؟ پہلے اس نے تکذیبِ دین کے سلسلہ میں یتامیٰ، مساکین کی بات چھیڑی تو اس سے مصلین کا ذکر سامنے لے آیا۔ اس طرح یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ صلوٰۃ اور معاش میں کس قدر گہرا تعلق ہے اور تکذیبِ دین کرنے والے وہ مصلین ہیں جو صلوٰۃ کے رسوم وظواہر کے پابند تو ہوتے ہیں لیکن معاشی نظام کو قوانینِ خداوندی کے تابع نہیں رکھتے۔ اسی سے تم نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن کریم کی آیات کس قدر مربوط ہیں۔ لیکن یہ ربط ونظم اسی صورت میں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ انسان کے سامنے دین کا وہ مرکزی تصور (CENTRAL IDEA) ہو جسے قرآن بطور اصل الاصول کے پیش کرتا ہے۔ اس تصور کی روشنی میں صاف نظر آ جاتا ہے کہ قرآن کی تمام آیات کس طرح اسی محور کے گرد گردش

کرتی ہیں۔لیکن اگر اس کا یہ مرکزی تصور سامنے نہ ہوتو پھر اس میں کوئی ربط ونظم دکھائی نہیں دیتا۔ یہ جوتم نے اکثر لوگوں سے سنا ہوگا کہ قرآن میں (معاذ اللہ) کوئی ربط نہیں تو اس کی وجہ یہی ہے ۔ورنہ خدا کی کتاب اور بے ربط!

ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہئے!

ان حضرات سے کون کہے کہ

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

☆.....☆.....☆

اہلِ جہنم

تم نے دیکھ لیا سلیم! کہ قرآن نے کن لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ تکذیبِ دین کرتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ وہ اب مرکزی خیال کی توضیح وتشریح مختلف مقامات پر کس انداز سے کرتا ہے۔ قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک جگہ ایک بات کو بطور اصول بیان کرتا ہے۔اور پھر دوسرے مقامات پر اس کی تشریح کرتا ہے۔کبھی اس کے مطابق مثالوں اور تشبیہوں سے اور کبھی اس کی ضد سے (JUXTA POSITION) سے۔سورہ مدثّر میں ہے کہ اہل جنت، اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (74:42) تمہارا وہ کونسا جرم تھا جو تمہیں جہنم میں کھینچ لایا؟ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (74:43-44) وہ جواب دیں گے کہ ہم ''مصلین'' میں سے نہیں تھے۔یعنی (اور) ہم مساکین کے کھانے کا انتظام نہیں کیا کرتے تھے۔ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ (74:45) البتہ ہم باتیں بہت بنایا کرتے تھے۔بلند آہنگ دعاوی کیا

کرتے تھے۔ جاذب نگاہ پلان بنایا کرتے تھے۔ امید افزا اسکیمیں تیار کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہے وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (74:46) اور اس طرح ہم دین کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ دیکھا تم نے سلیم! وہی صلوٰۃ (مصلین) اور طعام المسکین کا ذکر اور وہی تکذیب دین! یہاں دین کے بجائے یوم الدین آیا ہے۔ یوم کے معنی ہیں زمانہ دَور (TIME; AGE; PERIOD) یعنی وہ دَور جس میں نظام خداوندی متشکل ہو کر سامنے آ جائے۔ جس میں انسانی اعمال اپنے نتائج کو محسوس پیکروں میں سامنے لے آئیں۔ جس میں مکافاتِ عمل کا قانون ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر نظر آنے لگ جائے۔ ان جہنمیوں کا کہنا یہ ہوگا کہ ہم ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جو صلوٰۃ کی حقیقت پر نگاہ رکھ کر قیامِ صلوٰۃ پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اس طرح ایسا نظام قائم کرتے تھے جس میں مساکین کے رزق کا انتظام بحسن وخوبی ہو جائے۔ یوں ہم دین کے نظام کی عملاً تکذیب کیا کرتے تھے۔ یعنی اپنی روش سے دنیا پر یہ ثابت کر دیتے تھے کہ یہ دعویٰ کہ صلوٰۃ کے ذریعہ ایسا نظام عمل میں آ سکتا ہے جس میں معاشی مسائل کا اطمینان بخش حل مل جائے جھوٹا ہے۔ نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔

ناپ تول پورا نہ کرنے والے

سورہ تطفیف کا تو آغاز ہی اس موضوع سے ہوتا ہے۔ ارشاد ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ان لوگوں کے لئے تباہی ہے جو معاشی معاملات میں توازن قائم نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کے حقوق وواجبات میں کمی کر دیتے ہیں۔ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (83:1-3) یعنی وہ لوگ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورے ماپ سے لیتے ہیں لیکن جب دوسروں کو دیتے ہیں تو ماپ اور وزن میں کمی کر دیتے ہیں۔ تم نے دیکھا سلیم! قرآن نے سرمایہ دار

طبقہ کی روش اور ذہنیت کو کیسے جامع انداز میں بیان کیا ہے؟ مال تو پرانے زمانے کے پیمانوں اور ترازوؤں کے ذریعے ہو یا دورِ حاضرہ کی اقتصادی اسکیموں کے ذریعہ ذہنیت ہر جگہ وہی کارفرما ہے۔ اس کے بعد چند آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور پھر وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (83:10) اس دور میں يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (83:6) جب تمام نوعِ انسانی خدا کی عالمگیر ربوبیت کے لئے اُٹھ کھڑی ہوگی) ان مکذبین (تکذیب کرنے والوں) کے لئے تباہی ہوگی۔ اَلَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (83:11) یعنی ان لوگوں کے لئے جو یوم الدین کی تکذیب کرتے تھے۔

دیکھا تم نے سلیم! یہاں بھی مکذبین انہیں کہا گیا ہے جو معاشی نظام کو عدل کی بنیادوں پر استوار نہیں کرتے۔

☆.....☆.....☆

تصدیقِ دین

یہ تو ہوا تکذیبِ دین کا بیان۔ اب یہ دیکھو کہ وہ اس کے مقابلہ میں ''تصدیقِ دین'' کو سامنے لا کر کس طرح اس حقیقت کی وضاحت کرتا ہے۔ یعنی اس نے اوپر یہ بتایا تھا کہ تکذیبِ دین کون کرتا ہے اور اب یہ بتائے گا کہ تصدیق دین کون کرتا ہے۔ ذرا غور سے سنو کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے سورہ معارج میں ہے کہ: تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى (70:17) جہنم آوازیں دے دے کر بلاتی ہے۔ کسے بلاتی ہے؟.....اسے جو سیدھے راستہ سے مُنہ پھیر کر چل دیتا ہے یا اس سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ یہ تو اصولی بات ہوئی۔ اس کے بعد اس اصول کی تشریح سامنے آتی ہے۔ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى یہ وہ ہے جو دولت جمع کرتا ہے اور پھر تھیلی کا منہ کس کر باندھ

دیتا ہے کہ یہ مال کسی اور کے کام نہ آ سکے۔ دوسری جگہ ہے جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (104:2) جو مال جمع کرتا ہے اور پھر اُسے گنتا رہتا ہے کہ کتنا ہو گیا اور اس میں کتنا اور ڈالا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ کسی خاص شخص کی بات نہیں ہے انسان اگر وحی کی راہنمائی کے پیچھے نہ چلے تو اس کی حالت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ بہت بے صبرا اور حریص ہو جاتا ہے اس کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (70:19) اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (70:20-21) جب اس پر مصیبت آتی ہے تو واویلا مچانے لگ جاتا ہے اور جب اسے مال و دولت مل جاتا ہے تو اسے روک کر بیٹھ جاتا ہے اور کبھی نہیں سوچتا کہ جس طرح اسے تنگدستی کے زمانے میں مال کی ضرورت تھی، اسی طرح اس مال کی ضرورت ان لوگوں کو ہے جو اس وقت تنگدست ہیں یہ وہی کیفیت ہے جسے سورہ ماعون میں وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد قرآن بتاتا ہے کہ اس کا علاج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس قسم کی ذہنیت سے صرف مصلین بچ سکتے ہیں۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (70:22-23) وہ مصلین جو صلوٰۃ کی مداومت کرتے ہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ کسی معاملہ میں قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ کر لیا اور کسی میں اس کے خلاف چل پڑے۔ یا کبھی ان کا اتباع کر لیا اور کبھی ان سے گریز کی راہیں تراشنی شروع کر دیں۔ مصلین وہ ہیں جو اس صحیح روش کو اختیار کر کے استقامت اور استقلال سے اس پر جمے رہتے ہیں۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ ابتداء میں بات خالص معاشی مسئلہ کے متعلق ہو رہی تھی (کہ انسان کی عام ذہنیت یہ ہے کہ وہ مال و دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے اور اس سے اس کا جی ہی نہیں بھرتا) اور اس کے بعد فوراً مصلّین کا ذکر آ گیا۔ اس سے پھر یہ واضح ہو گیا کہ قرآنی نظام میں معاش اور

صلوٰۃ کا کس قدر گہرا تعلق ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ مصلّین کے بعد خدا کیا کہتا ہے..... وہ کہتا ہے وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (70:24-25) یعنی وہ لوگ جن کے مال و دولت میں سائل اور محروم کا حق ہے اور حق بھی مبہم نہیں بلکہ واضح اور معلوم۔ سائل اسے کہتے ہیں جس کی ضروریات کے پورا ہونے میں کمی رہ جائے اور محروم اسے کہتے ہیں جو اپنی ضروریات پورا کرنے کے بالکل قابل نہ ہو۔ پھر یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ دولت مند، محتاجوں، مفلسوں کو خیرات کے طور پر کچھ دے دیں۔ بالکل نہیں۔ خیرات پر زندگی بسر کرنا انسان کی انتہائی ذلت ہے اور احترامِ آدمیت کے منافی۔ قرآن گداگروں کی جماعت نہیں پیدا کرتا۔ اس لئے اس نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے نظام میں ہر محتاج و محروم اپنے لئے سامانِ زیست اور اسبابِ نشوونما بطور استحقاق (AS OF RIGHT) حاصل کرتا ہے۔ یہ نہ خیرات ہے نہ کسی کا ان پر احسان۔ اسی لئے قرآن نے دوسری جگہ کہا ہے کہ جن کے پاس فاضلہ دولت ہے وہ اسے اپنے زیردستوں کی طرف لوٹا کیوں نہیں دیتے؟ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (16:71) یعنی یہ فاضلہ دولت درحقیقت ان کا حق ہے۔ جنہیں اس کی ضرورت ہے۔ اس لئے انہیں اس کی طرف لوٹا دینا چاہئے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ان آیات کا ترجمہ ایک بار پھر سامنے لے آؤ جو اوپر درج کی جا چکی ہیں۔ یعنی

جہنم اس شخص کو آوازیں دے دے کر بلاتی ہے جو یا تو سیدھے راستے سے
منہ پھیر کر چل دیتا ہے اور یا اس سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔
یعنی اس شخص کو جو مال جمع کرتا ہے اور پھر اسے کس کر باندھ رکھتا ہے۔

یہ اس لئے کہ انسان جب اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے چلتا ہے تو اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ واویلا مچاتا ہے اور جب مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ تو اسے سمیٹ کر رکھ لیتا ہے۔ لیکن اس ذہنیت سے مصلین بچے رہتے ہیں' وہ لوگ جو اپنی صلوٰۃ پر مداومت سے قائم رہتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کے مال و دولت میں محتاجوں اور محروموں کا حق معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کے بعد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (70:26)

یعنی وہ لوگ ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں

تم نے دیکھا سلیم! کہ قرآن کس طرح تصریفِ آیات (آیات کو پھیر پھیر کر لانے) سے اپنی مرکزی تعلیم کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلے اس نے بتایا تھا کہ دین کی تکذیب کون کرتے ہیں اور اب بتایا کہ اس کی تصدیق کون کرتے ہیں۔ اس تفصیل کو اس نے سورہ القیامۃ کی دو مختصر سی آیات میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے (جو پہلے بھی لکھی جا چکی ہیں اور) جن میں کہا گیا ہے کہ دردناک عذاب میں مبتلا وہ ہوتا ہے جو

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ○ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (75:31-32)

جو نہ تصدیق کرتا ہے اور نہ قانونِ قانون خداوندی کے پیچھے چلتا ہے۔ بلکہ وہ تکذیب کرتا ہے اور اس راستے سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ ''تکذیب کرنے والے اور گریز کی راہیں نکالنے والے'' کے لئے قرآن نے فرعون کو بطورِ مثال پیش کیا ہے جس کے عہد میں ملوکیت (فرعونؔ)

پیشوائیت (ہامان) اور سرمایہ داری (قارون) بیک وقت جمع تھیں۔ چناچہ سورہ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (20:48) ہماری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ خدا کا عذاب اس پر ہوتا ہے جو تکذیب کرتا اور گریز کی راہیں نکالتا ہے اور اس طرح زندگی کی صحیح روش سے پھر جاتا ہے۔

سورہ لیل میں تکذیب وتصدیق کے تقابل کو ایک اور انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔ فرمایا:

دینے والے

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی (92:4) یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں مختلف لوگوں کی تگ وتاز کا رُخ مختلف سمتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان تمام سمتوں کو سمٹایا جائے تو یہ اصولی طور پر دو قسموں میں تقسیم ہو جائیں گی۔ یہ دو سمتیں اور ان کے نتائج یہ ہیں فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی (92:5-6) سو جو شخص دوسروں کو دے گا اور تقویٰ شعار بن جائے گا اور اس طرح ہمواریاں پیدا کرنے والے کی تصدیق کرے گا۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی تو ہم اس پر فراخیوں کی راہ آسان کر دیں گے۔ اس کے برعکس وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی جو شخص سب کچھ سمیٹ کر اپنے لئے رکھ لے گا اور اپنے آپ کو معاشرے سے مستغنی سمجھ لے گا۔ یعنی یہ خیال کرے گا کہ میرے پاس اس قدر مال ودولت ہے اس لئے مجھے دوسروں کی کیا محتاجی ہے۔ میں ان کی کیا پرواکرتا ہوں۔ اور اس طرح ہمواریاں پیدا کرنے والے دین کی تکذیب کرے گا۔

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی (92:10) تو ہم اس پر تنگدستی کے راستے کشادہ کر دیں گے۔

وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی (92:11) اور جب اس کی تباہی کا وقت آئے گا تو اس کا مال

دولت اس کے کسی کام نہ آ سکے گا۔ یہ اُسے اس تباہی سے کبھی نہیں بچا سکے گا جو اس کی سرمایہ دارانہ روش کا لازمی نتیجہ ہے۔

وہ اس روش کو اس لئے اختیار کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ انسان کو اپنے مال و دولت کے معاملہ میں اپنی مرضی اور اپنے فیصلوں کے مطابق ہی چلنا چاہئے۔ لیکن یہ غلط ہے اس باب میں انسان کو وحیِ خداوندی کے تابع چلنا چاہئے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (92:12) راہ نمائی دینا ہمارا کام ہے اس لئے کہ انسان ہمیشہ اپنی ذاتی مصلحت اور پیش پا افتادہ مفاد ہی کو سامنے رکھتا ہے اور مستقبل پر اس کی نگاہیں نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (92:13) ہمارے سامنے حال بھی ہوتا ہے اور مستقبل بھی ہمارے پیشِ نظر اس کی طبعی زندگی کی نشو ونما بھی ہوتی ہے اور اس کے بعد کی زندگی کی بالیدگی بھی۔ انسان کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے اور ہمارے سامنے پوری نوعِ انسانی کا مفادِ کلی:۔

عقل خود بیں غافل از بہبودِ غیر سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحی حق بینندہ سودِ ہمہ در نگاہش سود و بہبود ہمہ

جو شخص (یا نظام) مفادِ خویش ہی کو مقصودِ حیات سمجھتا ہے اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (92:14) سو میں تمہیں اس شعلہ انگیز آتشِ سوزاں سے متنبہ کرتا ہوں جو سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا کرتی ہے۔

متقی کون ہے؟

لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ○ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (92:15-16) اس میں صرف وہی داخل ہوتا ہے جو شقی ہوتا ہے۔یعنی وہ جو تکذیب کرتا ہے اور گریز کی راہیں نکالتا ہے۔اس کے برعکس وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى (92:17) اس سے اُسے محفوظ رکھا جاتا ہے جو متقی ہو۔اب سوال پیدا ہوا کہ متقی کسے کہتے ہیں۔اس کا جواب اگلی آیت میں دے دیا۔

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (92:18) یعنی وہ جو اس لئے مال دیتا ہے کہ اس سے (اس کی اپنی ذات کی اور دیگر افرادِ انسانیہ کی) نشوونما ہو سکے۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ ان آیات سے دیگر امور کے علاوہ متقی کا مفہوم بھی کس طرح واضح ہو گیا۔یعنی متقی بھی وہ ہے جو اپنا مال دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے اور اس طرح اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی دیکھو کہ تقویٰ اور معاشی معاملات کا کس قدر گہرا تعلق ہے۔جو لوگ تقویٰ اور ''تزکیہ نفس'' کا کچھ اور مفہوم سمجھتے ہیں اور ان کا تعلق ''روحانیت'' (یعنی ان کی مصطلحہ روحانیت) سے قرار دیتے ہیں، ان کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (53:32) تم اپنی ذات کی نشوونما (تزکیہ) کا فیصلہ خود ہی (اپنے معیاروں کے مطابق) نہ کرنے بیٹھ جاؤ۔اسے بہترین طور پر خدا ہی جانتا ہے اور وہی بتا سکتا ہے کہ متقی کسے کہتے ہیں۔متقی اسے کہتے ہیں۔ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (92:18) جو اپنا مال دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے اور اس طرح اس کی ذات کا تزکیہ ہوتا جاتا ہے۔اس کے برعکس وہ کہتا ہے۔ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰى (53:33) کیا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو گریز کی راہیں نکالتا ہے۔ یعنی وہ شخص

وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی (53:34) جو مرتا بھرتا کچھ دیتا بھی ہے تو بہت تھوڑا سا دیتا ہے اور پھر پتھر کی طرح سخت ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

متقی کون نہیں

سورہ لیلٰ میں تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ قرآن نے اتقیٰ (متقی کے مقابلہ میں اشقیٰ (شقی) کو پیش کیا ہے جس کے متعلق کہا ہے کہ وہ جہنم کے تباہ کن عذاب میں مبتلا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ شقاوت کسے کہتے ہیں۔ قرآن نے سورہ طٰہٰ میں بڑے واضح الفاظ میں اس کی تشریح کی ہے۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی (20:2) ہم نے قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو شقاوت میں مبتلا ہو جاتا۔ لہٰذا اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو قوم قرآن کے مطابق زندگی بسر کرے گی وہ کبھی زندگی کی سعادتوں سے محروم نہیں رہے گی اور اسے جگر سوز مشقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کی سعادتیں کیا ہیں اور جگر پاش مشقتیں کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح آگے چل کر قصہ آدم کے تمثیلی انداز میں اس طرح کر دی کہ آدم جنت میں تھا جہاں اس کی زندگی اس نہج سے گذر رہی تھی کہ اسے نہ بھوک کا خوف تھا نہ پیاس کا۔ نہ لباس کی فکر تھی نہ مکان کی۔ یہ سب ضروریاتِ زندگی نہایت آسانی سے اور با افراط (رَغَدًا) پوری ہوتی چلی جاتی تھیں۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی (20:118-119) اس کے بعد ہے کہ ہم نے آدم سے کہا کہ دیکھنا! تم کہیں اس راستے کو چھوڑ کر ابلیس کی راہ اختیار نہ کر لینا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہیں اس جنت سے نکال دے گا۔ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی (20:117) تو اس سے کیا ہوگا۔ فَتَشْقٰی (20:117) تو اس کا نتیجہ شقاوت ہوگا۔ یعنی تو ان تمام چیزوں سے محروم ہو جائے گا جو تمہیں اس وقت فراوانی

سے حاصل ہیں اور ان کے حصول کے لئے تمہیں جگر پاش مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔

اس کے بعد ہے' آدم ابلیسؔ کے فریب میں آ گیا اور اس طرح اس زندگی کی آسائشوں سے محروم ہو گیا۔ اس سے آدم سخت مایوس اور افسردہ خاطر ہو گیا۔ اس نے خدا سے کہا کہ اب اس کے لئے اس پہلی (جنتی) زندگی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں؟ جواب ملا کہ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ وہ تمام فراوانیاں اور آسائشیں تمہیں پھر سے حاصل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ تم (اپنے خیالات کا اتباع چھوڑ کر) ہماری راہنمائی کے پیچھے پیچھے چلو۔ اس کا نتیجہ یہ گا کہ **فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى** (20:123) نہ تیری محنت رائیگاں جائے گی اور نہ ہی تو شقاوت میں پڑے گا۔ اس کے برعکس' **وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا** (20:124) جو شخص ہمارے ضابطہ قوانین سے پہلو تہی کرے گا تو اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ اور صرف یہی نہیں کہ اس کی یہاں کی روزی تنگ ہو جائے گی بلکہ **وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى** (20:124) اسے ہم قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

تم نے دیکھا سلیم! کہ اتقیٰ کے مقابلہ میں جو اشقیٰ آیا ہے اس میں اشقیٰ کے معنی کیا ہیں! یعنی وہ جو زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہو اور اس کے لئے اسے جگر سوز مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ لہٰذا متقی وہ ہے جسے زندگی کی تمام ضروریات اور سعادتیں بافراط میسر ہوں اور وہ اپنی محنت کی کمائی کو دوسروں کی نشوونما کیلئے کھلا رکھے۔

☆.....☆.....☆

فحشا و منکر

ان تصریحات سے تم نے دیکھ لیا کہ قرآن کی رُو سے صلوٰۃ اور معاشی معاملات میں کتنا گہر

تعلق ہے اور اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ صلوٰۃ صرف اس نماز تک ہی محدود نہیں جو مسجد کی چار دیواری کے اندر ادا کی جاتی ہے بلکہ اس کا دائرہ انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے۔ صلوٰۃ اس نظام کا نام ہے جس میں تمام افرادِ معاشرہ قوانین خداوندی کے پیچھے چلتے ہیں اور اس کے وقتی اجتماعات اس نظام کا ایک حصہ ہیں۔ اس سے تمہاری سمجھ میں یہ بات بھی آ جائے گی کہ قرآن نے جو کہا ہے عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (29:45) ''صلوٰۃ فحشا اور منکر سے روک دیتی ہے'' تو اس کا مفہوم کیا ہے؟ فحشا کے معنی ہیں بخل اور منکر کے معنی ہیں عقلِ فریب کار کی حیلہ تراشیاں جن کی رُو سے انسان سب کچھ اپنے لئے ہی سمیٹ کر رکھ لینا چاہتا ہے۔ اس ذہنیت اور اس روش سے انسان صرف نظام صلوٰۃ کی رُو سے رُک سکتا ہے۔ یہ آیت درحقیقت سورہ معارج کی ان آیات ہی کی تفسیر ہے جو پہلے گذر چکی ہیں اور جن میں کہا گیا ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ○ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (70:19-23) اور انہی تصریحات سے یہ حقیقت بھی تمہارے سامنے آ گئی کہ دین کی تکذیب کون کرتا ہے؟ دین کی تکذیب وہ کرتا ہے جو (سورہ ماعون کے الفاظ میں)

> یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانے کا بندوبست نہیں کرتا۔ سو ایسے مصلّین کے لئے تباہی ہے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں، جو نماز کے ظاہر ارکان و اجزاء ہی کو حقیقی صلوٰۃ سمجھ لیتے ہیں اور عملاً ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ رزق کے ان سرچشموں کو جو تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں اپنے لئے روک رکھتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

یوم الدین

ممکن ہے بعض لوگ اس پر اصرار کریں کہ آیت (70:26) میں جو پہلے گذر چکی ہے۔ ''یوم الدین'' کا ترجمہ ''جزا و سزا کا دن'' ہی کرنا چاہئے۔ لیکن جو حقیقت پچھلے صفحات میں سامنے آ چکی ہے، اس کی رُو سے اس ترجمہ سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ''جزا و سزا کا دن'' کے معنی ہوں گے ''جب خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق انسانی اعمال کے نتائج محسوس شکل میں سامنے آ جائیں''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا یہ اٹل قانون ہے کہ ہر انسانی عمل، ہر روشِ زندگی ایک خاص نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ خدا کی متعین کردہ روش کا نتیجہ زندگی کی آسودگیاں اور خوشحالیاں ہیں۔ اس کے خلاف چلنے کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔ جو شخص ذاتی مفاد پرستی کی روش اختیار کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی نہیں ہوگا، وہ خدا کے قانونِ مکافات کی تکذیب کرتا ہے۔ وہ عملاً یہ کہتا ہے کہ نہیں! یہ غلط ہے کہ اس روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔ یہ ہے وہ شخص جو تکذیب دین یا تکذیب یوم الدین کرتا ہے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ جو قوم اس قسم کی روش اختیار کرے گی۔ جو اس قسم کا معاشی نظام قائم کرے گی اسے استحکام اور بقا نصیب نہیں ہوگی۔ وہ مٹ جائے گی اور اس کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کا تصورِ حیات اس کی پہلی قوم سے مختلف ہوگا اور وہ ان جیسا معاشی نظام قائم نہیں کرے گی۔ سورہ محمدؐ میں ہے۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ سو تم میں سے وہ لوگ ہیں جو اس روش کو اختیار کرنے کی بجائے بخل کی روش اختیار کر لیتے ہیں جس میں انسان سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر دوسروں کو اس سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ۔ جو دوسروں کو محروم رکھتا ہے وہ درحقیقت خود اپنی ذات کو نشوونما سے محروم رکھتا ہے۔ اِس سے خود اس کا نقصان

ہوتا ہے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس لئے کہ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں اور تم اپنی نشوونما کے لئے اس کے محتاج ہو۔ یاد رکھو وَاِنْ تَتَوَلَّوْا۔ اگر تم سیدھے راستے سے پھر گئے اور اس سے گریز کی راہیں تراشنی شروع کر دیں تو يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (47:38) اس کا قانونِ مکافات تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور جو تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے اور جو سمجھتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا' سرمایہ داری کا نظام قائم ودائم رہ سکتا ہے اور اس غلط روش کے نتائج وعواقب کو نمازیں پڑھنے سے روکا جاسکتا ہے وہ

تکذیب دین

کرتا ہے۔ وہ خدا کے قانونِ مکافات کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خدا نے قوموں کے عروج وزوال اور بقا اور فنا کے لئے جو قانون مقرر کر رکھا ہے وہ کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہوسکتا۔ (اس قانون کی مزید تشریح کسی دوسرے خط میں کی جائے گی)

والسلام

پرویز

ماہنامہ طلوع اسلام ستمبر 1956ء

☆.....☆.....☆

مذہب کے متعلق

شکوک شبہات اعتراضات

پیدا ہوتے ہیں — کس کے دل میں؟ — نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں — ان کا جواب آپ کے پاس کیا ہوتا ہے؟ — ماتھے کی شکن، گھرکی، لاحول — کیا اس سے وہ شکوک رفع ہو جاتے ہیں؟ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آپ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ یہ شکوک رفع ہوں گے دلائل و براہین اور علم و بصیرت سے۔ بشرطیکہ سمجھانے کا طریقہ بھی دلنشیں اور جاذبِ توجہ ہو!

اگر آپ فی الواقعہ کسی نوجوان کے دِل سے شکوک و شبہات کی پھانسیں نکالنا چاہتے ہیں تو اُسے...

سلیم کے نام خطوط

... پڑھنے کے لیے دیجئے!

اور پھر دیکھئے کہ اس کے دل و دماغ میں کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے اور وہ کس طرح صحیح اسلام کا گرویدہ بن جاتا ہے۔ کتاب دیدہ زیب نستعلیق میں سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور مجلد ہے!

قیمت: جلد اوّل جلد دوم جلد سوم مکمل سیٹ

مرثیہ کیوں؟

آپ گھر میں ہوں یا دفتر میں، بازار میں ہوں یا دکان پر، ریل میں ہوں یا بس میں، تانگے میں ہوں یا ٹرام میں، بارات میں ہوں یا جنازے کے ساتھ — جہاں کہیں دو مسلمان جمع ہوں وہ مسلمانوں کی عام حالت کے مرثیہ خواں نظر آئیں گے۔ پہلے تو صرف اتنا ہی کہا جاتا تھا کہ قوم میں سخت افلاس ہے۔ لوگوں کے پاس کھانے کو روٹی، پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان نہیں۔ بیمار پڑ جائیں تو دوائی نہیں اور مر جائیں تو کفن دفن تک کے لیے پیسے نہیں۔ اب اس کے ساتھ اس کا بھی اضافہ ہوتا ہے کہ لوگ بد دیانت ہیں، بے ایمان ہیں، چور ہیں، جھوٹے ہیں۔ بلیک مارکیٹ، رشوت، نفع خوری، اعتوپڑی اور اقربا نوازی عام ہے — افراد سے آگے قوموں تک جائیے تو مسلمانوں کا ہر ملک تباہ حال ہے۔ عوام میں جہالت اور غربت ہے، خواص خائن اور غدار ہیں۔ یہ مرثیہ تو عام ہے لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ

اِس کی آخر وجہ کیا ہے

مُسلمان کیوں ہر جگہ پستی اور ذلّت میں ہیں؟

اگر آپ کو اس سوال سے دلچسپی ہے تو آپ وہ کتاب ضرور دیکھئے جس کا نام ہے

اَسبابِ زوالِ اُمّت

اِس کے مُتعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

قیمت : (تازہ ایڈیشن):

وہ کون سا دماغ ہے —

جس میں — اِس قِسم کے سوالات نہیں اُبھرتے کہ :

○ کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے؟ ○ کیا سب کچھ خُدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟

○ کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عُمر دھکے کھاتے رہیں؟ ○ کیا خُدا کو ایسا ہی منظور ہے؟

○ کیا موت کا ایک دن مقرر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے؟

○ بعض بچے پیدائشی اندھے، لولے، لنگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟

○ اگر خُدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا؟

○ کیا دُعا سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دُعا کیوں کرتے ہیں؟

یہ، اور اِسی قسم کے دیگر سوالات کا تعلق **مسئلۂ تقدیر** سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسمِ پیچ و تاب بنائے رکھا ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے **کارل مارکس** نے کہہ دیا کہ:

مذہب عوام کے لیے افیون ہے

جنابِ **پرویز** نے —— دُنیا کے اِس مُشکل ترین مسئلہ کو —— اپنی تصنیف

کتاب التقدیر

میں، قرآنِ کریم کی روشنی میں، اس عمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

کتاب بڑے سائز کے چار سو سے زاید صفحات پر مشتمل ہے اور عمدہ سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔ جلد مضبوط — اور گرد پوش جاذب نگاہ (نقشِ ثانی) —— قیمت:

مجھے اپنے فہم قرآن کے متعلق کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ وہ سہو وخطا سے منزہ ہے۔ یہ قرآن فہمی کی ایک انسانی کوشش ہے اور ہر انسانی کوشش کی طرح اس میں غلطیوں کا امکان ہے۔ لہٰذا! میری تحریر میں جو کچھ آپ کو صحیح نظر آئے، وہ نورِ قرآنی کا تصدق ہے اور جہاں کہیں سہو وخطا دکھائی دے، وہ میرے ذہن کی نارسائی۔ (پرویز۔۔معراجِ انسانیت)

قرآنی پمفلٹس

صحیح قرآنی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے میں قرآنی فکر پر لکھے گئے چھوٹے پمفلٹس نے بھی بہت ہی اہم اور کامیاب کردار ادا کیا ہے۔ احباب اِن پمفلٹس کا خود بھی مطالعہ کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو تقسیم بھی کرتے ہیں اس لئے اِن کی قیمت اصل لاگت سے بہت ہی کم رکھی جاتی ہے۔ جبکہ کچھ صاحب ثروت احباب اِس کمی کو اپنے عطیات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں چونکہ یہ سلسلہ ابھی بھی محدود پیمانے پر جاری ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس سلسلہ کو مزید بہتر کیا جائے لہٰذا صاحب ثروت حضرات سے مزید عطیات کی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ قرآنی فکر کے کام میں مزید وسعت پیدا کرنے میں ہماری مدد کریں اور اپنے عطیات ''پمفلٹس فنڈ'' کے لئے بھجوائیں تا کہ پمفلٹس کی طباعت اور دوسروں تک قرآنی فکر کو پہنچانے میں ہم کامیابی حاصل کرسکیں۔

یہ یاد رہے کہ ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ بنام ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور ارسال فرمائیں۔
بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 برانچ کوڈ 0465 نیشنل بنک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور۔

(دستیاب پمفلٹس کی لسٹ اندرونی ٹائٹل کے پہلے اور آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔